THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4No.1 2026

محمود احمد قاضی کے افسانوں میں علامت نگاری

SYMBOLISM IN THE SHORT STORIES OF MAHMOOD AHMED QAZI

Saqib Yaseen
M.Phil. Urdu University of Southern Punjab Multan
Shabana Manzoor
M.Phil. Urdu University of Southern Punjab Multan
Dr. Munawar Amin (Corresponding Author)
Assistant Prof. University of Southern Punjab Multan
drmunawaramin143@gmail.com

Abstract:
Mahmood Ahmed Qazi is a prominent Urdu short story writer. Four collections of his short stories have been published. He has written a large number of short stories, in which he skillfully employs symbolism. In fact, Mahmood Ahmed Qazi has made symbolism the hallmark of his writings.
Ever since the short story expanded its scope, strength, and diversity, it has broken traditional boundaries and absorbed within itself the vastness and complexities of life. Short fiction contains an imaginative world which, despite being close to reality, is not entirely real. Therefore, realism, romanticism, symbolism, and abstraction are included in short story writing as reflections of life. In every era, writers have been divided into two groups: one group writes with the intention of representing life directly, while the other presents life in a symbolic form. Mahmood Ahmed Qazi belongs to the second group.
In abstraction, the story largely depends on symbolism. Often, in abstraction, the short story writer fails to express symbols clearly, resulting in ambiguity, which becomes the greatest obstacle. In his stories, symbolism moves along with the narrative. Unlike other abstractionists, he neither halts nor makes his stories disappear into obscurity. In his work, one can feel the pleasure of using both symbolism and abstraction together. This can be seen in stories such as Hawa , Aik Baar Phir Jallad, Chor *and other short stories. Through symbolic expression in his short stories, Mahmood Ahmed Qazi demonstrated the magic of his pen among his contemporaries and achieved considerable fame.*

Keywords: Prominent, Symbolism, Literary, Marsha law, Absurd, Night Mare, Diversity.

محمود احمد قاضی اردو کے نمایاں افسانہ نگار ہیں ان کے پانچ افسانوی مجموعے طبع ہو چکے ہیں۔ جن میں پہلا افسانوی مجموعہ "ہوا"1979ء میں شائع ہوا۔ دوسرا افسانوی مجموعہ "ٹھہرا ہوا موسم"1995ء، تیسرا افسانوی مجموعہ "دریا"2007ء، چوتھا افسانوی مجموعہ "سلطنت"2009ء اور "کتھا نگر"(لاطینی اور امریکی کہانیوں کے تراجم) 2011ء اور پانچواں افسانوی مجموعہ "خواب گلی"2019ء میں شائع ہوا۔ ایک ناولٹ "ٹلہ جوگیاں"2012ء میں شائع ہوا ہے اور "یہ گجرانوالہ ہے" تحقیق 2015ء اور "ہوا محل" افسانوی مجموعہ جو کہ غیر مطبوعہ ہے۔

آپ کے آباءو اجداد کا تعلق آزاد کشمیر سے تھا۔ آپ یکم ستمبر 1945ء کو بروز جمعہ گجرانوالہ کے چک خورد میں قاضی عطا اللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان گوجرانوالہ سے پاس کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے 1967ء اور 1969ء میں ایم اے معاشیات کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیمی میدان میں محمود احمد قاضی بہت سے اساتذہ سے فیض یاب ہوئے۔ کچھ اساتذہ ایسے تھے جن کی محنت وہ آج تک نہ بھلا سکے۔ ان کے مشاغل میں فلم بینی، باغبانی، جانور پالنا، موسیقی، رقص، مصوری اور سیر و تفریح قابل ذکر ہیں۔ اپنے مشاغل کے بارے میں کہتے ہیں:

"لکھنے پڑھنے کے علاوہ میرے مشاغل میں موسیقی سے لطف اندوز ہونا شامل ہے۔ کلاسیکی
نیم کلاسیکی موسیقی سننا مجھے اچھا لگتا ہے۔ 1940ء سے پہلے کی موسیقی پاکستانی اور

ہندوستانی سے لطف اندوز ہوتا ہوں میرے پاس تھوڑے سے گراموفون ریکارڈ اور بہت
سی آڈیو کیسٹوں کا ذخیرہ موجود ہے۔"(1)

محمود احمد قاضی اردو افسانہ نگاری کی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ محمود احمد قاضی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز 1967 میں شائع ہونے والے ہفت روزہ "قندیل" لاہور سے کیا۔ تحریر میں سادگی سلاست اور عمدہ لہجہ پایا جاتا ہے۔ محمود احمد قاضی نے اپنی افسانہ نگاری کا آغاز اس دور میں کیا۔ جب مارشل لاء لگا ہوا تھا۔ علامت نگاری کے اس دور میں افسانہ میں حقیقت نگاری کو پروان چڑھانے والوں میں منشایاد، رشید امجد، انیس صدیقی اور قمر عباس ندیم قابل ذکر ہیں۔ محمود احمد قاضی نے بھی اس ظلم و جبر کے دور کے خلاف ہمت اور بہادری کے ساتھ اپنی کہانیوں میں سیاسی اور سماجی منظر کو بیان کیا۔ آپ کی کہانیوں میں جبر، علامت، تجریدیت اور حقیقت نگاری ساتھ ساتھ چلتی نظر آتی ہے آپ کی کہانیوں کے کردار ہر گلی، ہر محلے میں جیتے جاگتے اور حرکت کرتے نظر آتے ہیں اور ان کا اظہار بڑی خوبصورت علامتوں سے کیا ہے۔

علامت بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا انگریزی مترادف"Symbol" ہے مختلف لغات میں لفظ "علامت" کے معنی تھوڑے ردوبدل کے ساتھ تقریباً ایک جیسے ہیں۔ Symbolism یونانی زبان کا لفظ ہے جو دو الفاظ کا مرکب ہے جس کے مفہوم کے بارے میں روایت ہے کہ جب کوئی دو فریق آپس میں کوئی معاہدہ طے کرتے ہیں تو چیز کو توڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے یہ معاہدے کی شناخت کا نشان ہوتا تھا جسے بعد میں ملا کر دیکھ لیا جاتا تھا۔ پروفیسر انور جمال کے نزدیک:

"ہر لفظ کسی خاص معنی کے لئے وضع ہوا ہے اگر ہم لفظ کو اس کے مخصوص معانی کی
بجائے اس سے کوئی دوسرے معنی مراد لیں تو یہ علامت ہو جائے گی۔"(2)

"علامت" دراصل مخفی خیالات کی وسیع ترین ترسیل کی ایک صورت ہے۔ علامت کے ذریعے اظہار مخفی انداز میں ہو رہا ہوتا ہے۔ "علامت" کسی ان دیکھی شے کی مماثلت یا مشابہت ہے، جس کے پیچھے احساسات اور فکر کے اشاروں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوتا ہے۔ علامت جتنی تہہ دار اور کثیر المعانی ہو گی، اتنی ہی زیادہ وقعت کی حامل ہو گی۔ علامت اگرچہ کسی اور چیز کا متبادل ہوتی ہے لیکن یہ کوئی سامنے کی چیز نہیں ہوتی۔ یہ اپنے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی بہت سے مفاہیم و مطالب کی حامل ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے لیکن ان تمام مفاہیم و مطالب تک رسائی ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی بلکہ ہر شخص اس علامت سے اپنے تجربے، مطالعے یا مشاہدے کے لحاظ سے ایک خاص مفہوم اخذ کرتا ہے۔ اردو افسانے میں علامت کا استعمال کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ افسانے کے آغاز سے ہی یہ افسانے کے ساتھ ہے۔ اردو افسانے کی ترقی یافتہ شکل میں علامت نگاری کی لاشعوری کوششیں نظر آتی ہیں۔ علامت نگاری کا آغاز یلدرم سے نیاز فتح پوری، حسن عسکری اور ڈاکٹر رشید جہاں تک نظر آتا ہے۔ یلدرم کے افسانوں میں علامت نگاری انسانی نفسیات کے خمیر سے ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے جیسے شمس الرحمن فاروقی رقم طراز ہیں:

"یلدرم کی علامت بنیادی طور پر انسانی نفسیات اور جبلت سے بحث کرتی ہے ان کی یہ
کہانی "گلستان و فارستان" ایک مکمل علامتی خد و خال رکھتی ہے اس کے تین حصے انسانی
زندگی کی تین کیفیتوں کا اظہار ہیں۔"(3)

یلدرم نے خارجی علامت کا استعمال کر کے داخلی علامت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی ساری فضا کو انسانی جنسی شعور کی بیداری کے مرحلے سے اس کی تکمیل تک پھیلا دیا ہے۔ محمود احمد قاضی نے بہت سارے افسانے تحریر کیے ہیں۔ ان میں علامت کو بخوبی استعمال کیا ہے۔ محمود احمد قاضی نے اپنی تحریروں میں علامت نگاری کو اپنا شعار بنایا ہے۔ اور وہ خود رقم طراز ہیں:

"پہلے پہل بیانیہ سادہ رہا۔ پھر علامت در آئی۔ علامت بھی انگوٹھی میں جڑے ہوئے نگ
کی طرح ہوتی ہے بات کو اکہرے پن سے نکال کر تہہ داری کی طرف لاتی ہے۔ جب سے
انسان نے لکھنا اور پڑھنا شروع کیا ہے اس نے علامت ہی کو اپنایا ہے۔ اس نے دیواروں
پر جانوروں کی تصاویر بنائیں وہ دراصل ایک تصویری خبر یا کہانی کی ابتدا تھی۔ علامت

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

نگاری کوئی مشکل رجحان نہیں ہے۔ کیونکہ علامت تجرید سے علیحدہ ایک خوبصورت چیز
ہے اس کو اپنانا ایک دل پذیر عمل ہے۔"(4)

"ہوا" محمود احمد قاضی کے افسانوں کی پہلی کتاب ہے۔ جو 1979 میں شائع ہوئی یہ کتاب 94 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں کل 13 افسانے ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد نے محمود احمد قاضی کو نوترقی پسند افسانہ نگاروں کے اس گروپ میں شامل کیا ہے جنہوں نے نظریاتی احساس کے ساتھ ساتھ نئی فنی تکنیک اور نئے اسلوبی تجربے بھی کیے ہیں۔ محمود احمد قاضی نے تجریدی اور علامتی انداز کو اپنا شعار بنایا ہے۔ علامت کے استعمال میں ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھا ہے۔ رشید امجد لکھتے ہیں:

آج کے دور میں جب کہ افسانے میں تجرید و علامت کے نام پر بے شمار فضول اور لایعنی
افسانے لکھے جا رہے ہیں محمود احمد قاضی نے علامتی پیرائے میں بڑے اچھے اور بامعنی
افسانے تحریر کیے ہیں۔ جو پڑھنے والوں کو متاثر کرتے ہیں۔"(5)

افسانہ "ہوا" نو آزاد ملکوں میں آزادی کی کہانی ہے۔ روشنی کی تمنا کی کہانی، سانس لینے اور زندہ رہنے کی آرزو کی کہانی، اس کہانی میں غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کو کردار بنایا گیا ہے۔ جو اپنے ملک میں آزادی کی سانس لینا چاہتے ہیں۔ اور اس آزادی کا کھلم کھلا اعلان بھی کرتے ہیں۔ اس افسانے میں ٹیپو کا کردار مرکزی ہے۔ جو آزادی کی تمنا لیے ہوئے اپنی زندگی میں تگ و دو کرتا ہے اور آزادی کا سانس لینا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کھلی ہوا ہو اور کھلی ہوا میں سانس لینے کے لیے گھر کے سامنے موجود باغیچہ میں جانا چاہتا ہے۔ افسانے سے اقتباس دیکھیے:

"پاپا وہ جو سامنے کوٹھی کے اندر گھاس ہی گھاس ہے اسے کیا کہتے ہیں۔" مبشر نے ٹیپو کے
گال کو چوم کر کہا۔۔۔ بیٹے وہ لان ہے۔"
تو۔۔۔ یہ ہمارے گھر کیوں نہیں؟ مبشر اس بات کا کیا جواب دیتا۔۔ بس ٹکر ٹکر اپنے بیٹے
کی طرف دیکھتا رہا۔
اس کا بچہ بولا۔۔۔ دیکھو پاپا وہاں لان میں کتنے پھول ہیں۔ اور بہت سے درخت بھی ہیں
اور پتے زور زور سے ہل رہے ہیں۔
ہاں بیٹے وہاں ہوا جو ہے تو پھر ہمارے گھر ہوا کیوں نہیں؟
ب۔۔۔ بیٹے ہوا یہاں بھی تو ہے۔۔۔ نہیں پاپا
یہاں ہوا کہاں ہے۔
مجھے وہاں لے چلیں نا اس لان میں جہاں ہوا ہے۔"(6)

اس افسانے میں مصنف نے قدرت کی دی ہوئی چیزوں ہوا، پانی اور روشنی کا ذکر کیا ہے۔ مصنف کے نزدیک ان تمام چیزوں پر صرف اور صرف امیرانہ طبقے کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔ یہ معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کا حق ہے کیونکہ یہ قدرتی چیزیں ہیں۔ محمد علی صدیقی "ہوا" کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"جب محمود احمد قاضی کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "ہوا" شائع ہوا۔ تو اس کی پذیرائی بھی
خوب ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب ملک کے طویل ترین مارشل لاء نے ایفائے عہد سے متعلق
ہر تکلف کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ اب وہ خاصا ڈھیٹ ہو چکا تھا۔ 90 دن کے اندر اندر انتخابات
کے انعقاد کے ہدف سے گزر کر اسے اپنے راستے سے ہٹا چکا تھا۔ سیاست دانوں کے ایک
بڑے گروہ کے مطالبہ کی آڑ میں اور وہ معاشرے کو "اسلامیانے" پر اس لیے کمربستہ ہو
چکا تھا کہ اس کے لیے عمر نوح بھی شاید کم پڑتی۔ بہر حال محمود احمد قاضی کا پہلا مجموعہ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4No.1 2026

ایک بروقت رد عمل تھا۔اور قاضی کے اس رد عمل میں ایک راہ نجات بھی
تھی۔صاحب سوچ،صاحب علم بھی ہوتا ہے اور عمل بھی۔"(7)

یہ علامتیں ہوا،باغیچہ ذاتی اور انفرادی نہیں بلکہ پورے معاشرے کا حصہ ہیں۔اس لیے قاری، محمود احمد قاضی کے افسانوں کو پڑھتے ہوئے بھول بھلیوں کا شکار نہیں ہوتا۔اسی طرح کا ایک اور افسانہ جس میں دھوپ اور ہوا کا ذکر علامتی انداز میں ملتا ہے۔"دی نیٹو" ایک علامتی افسانہ ہے۔اس افسانے میں مصنف نے علامتی رنگ میں دھوپ اور ہوا کی بات کی ہے۔اس افسانے کے کردار دکھ اور اذیت کے لمحے ہوا اور دھوپ کی تمنا لیے ہوئے گزار رہے ہیں۔روشنی اور ہوا کا احساس اور شعور ان کی زندگی کی علامت ہے۔افسانے میں موجود ایک Native آدمی ایک بڑھیا اور ایک لڑکی کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔جس کو مکالموں کے ذریعے سجا کر قاری کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔"دی نیٹو" ایک مکالمہ یوں ہے:

"آپ کے پاس ماچس ہے جیسا کہ بے ضرر فقرہ کہنے کے بہانے وہ ایک آدمی کے کان پر
جھکتا ہے اور جب وہ دوبارہ کھڑا ہوتا ہے تو بھونچال سا آجاتا ہے
ایک بار پھر وہی۔۔۔۔۔ہی ہی۔۔۔ہی ہی کون ہے یہ؟
کوئی نہیں جانتا کہ کون ہے یہ۔۔۔۔۔۔۔۔ادھر کا تو لگتا ہی نہیں!
یار ذرا ہمیں اس کے متعلق تفصیل سے بتاؤ۔
لو تفصیل سنو۔۔۔۔۔۔سالا چار سو بیس مجھ سے پوچھتا ہے!
کیا تمھارے گھر کے آنگن میں دھوپ آتی ہے؟"(8)

دھوپ کی صورت میں امید اور تبدیلی کی علامت بیان کی گئی ہے۔جو کہ ایک نئے دور کے آغاز کی علامت ہے اور روشنی کی کرن غلامی، تاریکی اور تعفن زدہ معاشرے میں تبدیلی کی علامت ہے۔

"مگر اسٹیج خالی ہے" یہ افسانہ بھی علامتی انداز میں لکھا گیا ہے۔اس میں قاضی صاحب ایک ہنر مند انسان کی تذلیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ وہ کٹے ہوئے ہاتھ ہیں۔ہنر مندوں کی قدر ختم ہو گئی ہے۔ان کو اسٹیج سے اتار دیا گیا ہے۔قاضی صاحب کی جرات کو سلام ہے کہ انہوں نے اس دور میں آواز بلند کی ہے۔جو ہاتھ کامیابی کا اشارہ تھے۔جن کے ہنر کا طوطی بولتا تھا آج ان کی قدر ختم ہو کر رہ گئی ہے اور وہ اپنے عظیم ماضی پر اشکبار ہیں۔محمود احمد قاضی کی کہانیوں کے بارے میں منشا یاد کہتے ہیں:

"محمود احمد قاضی ایک حساس اور سوچتا ہوا کہانی کار ہے اور اس کی کہانیاں موجودہ دور کے
ناآسودہ فرد اور ابتر سماج کے بطون میں جھانکتی ہیں اور اس کی محرومیوں اور حق تلفیوں کا
سچا احوال کہتی ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسے ریاکار اور ذہنی اور اخلاقی پسماندگی
کے شکار معاشرے میں جہاں مادی وسائل پر ہی نہیں روشنی اور ہوا پر بھی اجارہ داری ہو
رہی ہو۔ایسی کہانیوں کے دریچے بھی وہاں نہ ہو تو زندگی دشوار ہو جائے۔"(9)

"وہ بولے گا" بھی ایک علامتی افسانہ ہے۔جس میں چار درویشوں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔چار درویشوں نے اپنی اپنی کہانی سنائی ہے اور معاشرے کے ظلم و جبر کو عوام پر مسلط کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ایک بچہ جو روشنی کی علامت بن کر آتا ہے اور جب بارش کا پہلا قطرہ گرتا ہے۔تو سارے زمینی خدا اس بارش میں بہہ جاتے ہیں اور ایک نئی صبح کا آغاز ہوتا ہے۔وہ اس دنیا میں ایک سچا بچہ ثابت ہوتا ہے۔وہ دنیا کی ہیرا پھیری سے بالکل ناواقف ہوتا ہے۔وہ کسی زمینی خدا سے نہیں ڈرتا وہ جب سچ بولتا ہے۔تو سارے زمینی خدا اس سے خوف کھاتے ہیں اور سب اس کے سچ کے آگے بے بس ہو جاتے ہیں۔ڈاکٹر انوار احمد اپنی کتاب "اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ" میں کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

"اس کے افسانوں میں بڑی معصومیت کے ساتھ سادہ سوال کیے گئے ہیں۔مگر یہ سوال
ایسی تتلیاں ہیں۔جن کے تعاقب میں بہت دور تک بھاگنا پڑتا ہے۔قاضی نے جس

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

رسان اور سہولت کے ساتھ سیاسی، سماجی جبریت کو آئینہ تخلیق میں اتارا ہے وہ اس کے روشن مستقبل کی عکاس ہے۔"(10)

"سنسر کا جواز" بھی ایک علامتی افسانہ ہے۔ یہ ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جسے ایسے گناہوں کی سزا دی جارہی ہے۔ جو اس سے سرزد نہیں ہوئے۔ یہ کہانی ایک اہم واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ ذوالفقار علی بھٹو کی بلا جواز پھانسی کے خلاف درد بھری آواز ہے۔ اس افسانے کا اقتباس ہے:

"وہ اس کے لیے مسکراتی ہے جسے اس نے نہیں دیکھا وہ اس کے لیے روتی ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔ تمام دروازے بند ہیں۔ باری باری سب دروازوں پر دستک دے چکا ہے اور اب اس کو معلوم نہیں کہ وہ کس دروازے کے پیچھے ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔ زمین اپنے محور کے گرد گھومنا بند کر دیتی ہے۔ سوا ان کی بزدل غراہٹ سنسان گلی میں ب کے لبادے کو دانتوں تلے چباتی ہے۔"(11)

"ہوا" میں شامل تمام افسانوں کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو ایک بات بالکل واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ افسانے ماورائی نہیں بلکہ ان کی جڑیں زمین میں پیوست ہیں۔ اور اس پر رہنے والے لوگ یعنی مخلوق انسان ہیں۔ افسانے انسان کی محبت، نفرت، ظلم اور مظلومیت کی داستانیں جنہیں بیان کرنے کے لیے مصنف نے علامتوں کا استعمال کیا ہے۔ یہ تمام افسانے علامتی افسانے ہیں۔ افسانہ "پرندہ" کی کہانی دراصل مادہ پرست معاشرے کی چکی میں پستے ہوئے ہر شخص کی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ کسی نوخیز پرندے کی اڑان کی طرح پہلی کامیابی اس کے لیے بھی خوشیوں کا پیغام لاتی ہے اور وہ اپنے اندر آگے بڑھنے کی مزید طاقت اور حوصلہ محسوس کرتا ہے۔ ایک پرندے کی طرح انسان مزید اونچا اڑنا چاہتا ہے۔ انسان اپنے خاندان کے مفادات کو پورا کرتے کرتے اور ترقی کے لیے دوڑتے دوڑتے جب تھک جاتا ہے۔ تو اپنے گھر کی چھت تلے کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہے لیکن گھر کے افراد جن کو صرف اپنا فائدہ نظر آتا ہے وہ اسے مزید کام کے لیے اکساتے ہیں۔ وہ زندگی بھر اسی تگ ودو میں گزار دیتا ہے لیکن گھر والوں کی خواہشات کبھی پوری نہیں ہوتی یعنی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ پرندہ کی پرواز آزادی کی علامت ہے۔

یہ افسانہ سیدھا سادہ بیانیہ ہے اس افسانے کی کلیدی سطریں بچپن کے دنوں کی "شاباشی" کی روایتی صداؤں کو Invoke کرتی ہیں۔ اور پرندہ ان صداؤں کی بدولت اپنے چوگہ پر واپس آبیٹھنے کی خواہش کے باوجود اوپر اڑا جارہا ہے یہاں تک کہ وہ آسمان کی بلندیوں میں تارا ہو جاتا ہے۔ شاید ناقابل واپسی ہے۔ اس افسانہ کا خیال اس قدر مانوس ہے کہ افسانہ کا سٹائل بھی لا محالہ طور پر سادگی اور پرکاری سے عبارت ہو کر رہ گیا ہے لیکن "پرندہ" ایک علامت ہے شاید یہ وہ علامت ہے جو ہر انسان کا احاطہ کرتی ہے۔"(12)

کچھ لوگ دانہ ڈال کر اس کو قید کرنا چاہتے ہیں اور کچھ لوگ اسے آزادی کی بلندیوں پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

"ٹھہرا ہوا موسم" اس افسانے کا نام بھی افسانوی مجموعہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس میں مصنف ظلم و جبر کی استبداد کو بیان کرتا ہے کہ زمینی آقاؤں نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ اس افسانے میں مارشل لا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"چیزوں کو الٹتے پلٹتے، پیروں کی دھمک سے کچے فرش کی مٹی کو اڑاتے ہوئے وہ اس کی طرف اتنی نفرت سے دیکھتے ہیں کہ اپنے تھوک کا پٹاخہ پھینکنے کے لیے بھی اس کے چہرے کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔"(13)

افسانہ "تصویروں کی ایک تصویر" ایک خاص محلے کی کہانی ہے۔ جہاں پیشہ ور عورتیں جسم فروشی کرتی ہیں۔ بوڑھی عورتیں اس دھندے یعنی کام کو چلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ جوان ان بوڑھی عورتوں کے اشارے پر ناچتے ہیں۔ جوان عورتیں اپنے حسن کے جلوے غیر مردوں پر نچھاور کرتی ہیں، لیکن جب ان کے خلاف آواز اٹھائی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337
Vol.4No.1 2026

جائے۔ تو ردعمل کے طور پر پتھر پھینکتی ہیں۔ افسانے میں ایک لڑکے کا ذکر ہے۔ جو ایک تصویر لے کر فٹ پاتھ پر بیٹھا ہے۔ یہ تصویر نمائش کے لیے ہے۔ بظاہر یہ ایک تصویر ہے لیکن حقیقت میں یہ ان تمام تصویروں کا مجموعہ ہے۔ یہ ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جو اب بڑھاپے کو پہنچ چکی ہے۔ اب اس کے کوٹھے پر کوئی نہیں آتا۔ وہ عورت بے بسی اور بے چارگی کی علامت بن چکی ہے۔ محمد علی صدیقی اس افسانے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

> "تصویروں کی تصویر میں سماج کے بھیانک چہرے کی جس چابک دستی کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے۔ وہ افسانہ نگار کی سادگی اور پرکاری ہے۔ ایک ایسا سماج جہاں سچ اور جھوٹ اپنی تفریق کھو بیٹھے ہیں۔"(14)

افسانہ "توتا کہانی" مارشل لاء کے دور میں لکھی جانے والی علامتی کہانی ہے۔ کہانی میں باقاعدہ کوئی آغاز اور انجام نہیں ہے بلکہ ایک ایسے المیہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس میں ظلم و جبر کی فضا میں زندگی کی سانسیں پوری کرنے اور اپنی مرضی سے بولنے یا اپنی رائے دینے کی کسی کو آزادی نہیں۔ جہاں سوچ پر پہرے ہیں۔ زندگی کے گزرنے والے شب و روز حکومتی فیصلوں کے پابند ہیں۔ اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ سب کچھ محض ایک دکھاوا ہے۔ لوگوں کے چہروں پر ایک سی تحریر رقم ہے۔ جہاں زبردستی کی مسکراہٹیں ہیں۔ اکبر حمیدی "توتا کہانی" کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> "یہ مارشل لاء کے زمانے میں لکھی گئی کہانی ہے چنانچہ اس کہانی میں اس زمانے کے مناظر ملتے ہیں۔ یا ان کی بازگشت دکھائی دیتی ہے۔"(15)

"سیب کے درخت" یہ افسانہ ایک عورت اور ایک مرد پر لکھا گیا ہے۔ یہ ایک علامتی افسانہ ہے یہ اس دور میں لکھا گیا جب عوام کو اپنے حقوق کی آواز اٹھانے پر پابندی تھی۔ کوئی اپنے حقوق کے لیے نہیں بول سکتا تھا اور جو کوئی بھی بغاوت کرتا ہے اس کو قید کر لیا جاتا۔ ملک پر ایک عورت کی حکمرانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب عورت حکمرانی کرے۔ تو ملک ترقی نہیں کر سکتا لیکن یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اگر جمہوریت کو اچھا ماحول اور اچھا موسم مل جائے تو ملک ترقی کر سکتا ہے پھر چاہے عورت حکمرانی کرے یا مرد۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے دو دوست آپس میں محو گفتگو ہیں اور سیاست پر بات کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو سے دوسری میزوں پر بیٹھے افراد بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایک دوست کہتا ہے کہ اب ظلم کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ ہر طرف آزادی کے گیت گائے جائیں گے۔ ہر طرف بہار ہی بہار نظر آئے گی۔ مگر اس کا پہلا دوست جس کے اندر ابھی بھی ڈر و خوف باقی دوسرے لوگوں کی طرح موجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بھاری بوٹوں والے پھر آجائیں گے۔ دوست بولتا ہے کہ اس ڈر کو اپنے دل سے نکال دو۔ دونوں دوست اپنی باتوں میں مگن ہوتے ہیں کہ ایک سفید داڑھی والا شخص ریستوران میں داخل ہوتا ہے اور اس طرح بڑبڑاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "کیا ہے یہ سب کچھ، ایک دم Absurd فضول۔۔۔۔۔اب دیکھو ایک طرف تو جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور دوسری طرف۔۔۔۔۔۔۔ہاہاہا۔۔۔۔۔ یہ دوسری طرف تو اصل چیز ہے۔ المیہ بھی یہی ہے کہ لوگوں کو دوسری طرف جھانکنے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا گیا۔"(16)

اکبر حمیدی اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> "سیب کے درخت "عورت کی حکمرانی عورت کے حقوق اور جمہوریت کی کہانی ہے یہ کہانی آنے والے زمانوں پر انسانی اعتماد کی کہانی ہے۔"(17)

افسانہ "میلہ گھمانے والا" دراصل ہمارے معاشرے کے اندر کی کہانی ہے معاشرے کے ظلم و زیادتی کی کہانی ہے ہر اس معاشرے کی کہانی ہے جہاں انتظامیہ خود ظالم اور بدمعاش لوگوں کا ساتھ دینے میں ملوث ہے افسانہ نگار نے اس افسانہ میں ملنگ، مصلی، کلاشنکوف بردار، نقاب پوش، بارش، مبلغ، بے ہنگم شور شرابا، بلوچی اور پنجابی ناچ جیسی بہترین علامتیں استعمال کی ہیں۔

افسانہ "شہزادی" ایک مکمل کہانی ہے۔ جسے مصنف نے مکالموں سے سجایا ہے۔ شہزادی جو کہ نیم تاریک اور روشن راہداریوں میں قید ہے۔ وہ باہر کی دنیا دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ محل میں ایک باغی کی حیثیت سے رہتی ہے۔ جب وہ محل سے آزاد ہو کر نکلتی ہے۔ تو ایک آزاد فضا کی علامت بن کر سامنے آتی ہے۔ جہاں صدیوں سے غریب

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

لوگ قید ہیں۔ان کی آزادی کی آواز بنتی ہے۔ شہزادی لفظ تبدیلی،روشنی اور امید کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔شہزادی جب باغی بنتی ہے۔تو روشنی کی علامت بنتی ہے۔اور ایسے پھول کھلتے ہیں۔ جس کی خوشبو ہر گھر کو معطر کرتی ہے۔

"بہروپیا" یہ کہانی مختلف روپ بدلنے والے کردار پر مشتمل ہے۔ جس کا باپ فوت ہو گیا ہے۔اور اس کی ماں ہی اس کا واحد سہارا ہے۔ وہ مختلف روپ اختیار کر کے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ایک دن اس کے بہروپ کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ایک پہلوان اسے کہتا ہے کہ وہ مجھے دھوکہ دے۔تو انعام میں اسے ایک سو روپیہ دے گا۔ایک دن وہ بھکاری بھیس بدل کر پہلوان کو دھوکہ دے جاتا ہے اور سو روپے کا حقدار بن جاتا ہے۔اس افسانے میں بہروپیا اپنا روپ تبدیل کر کے انعام وصول کر کے اپنی اصلیت بیان کر دیتا ہے۔ قاضی صاحب نے بڑی مہارت کے ساتھ اس کردار کو دھونس،رعب و دبدبہ کی علامت کہا ہے،ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"شہر کو اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ہر روز ایک نئے میک اپ کا سہارا لینا پڑتا تھا
اس طرح تغیراتی ثبات کے باوجود شہر کا کوئی حصہ اب بھی اپنے کلاسیکل ماحول اور اپنی
اصلی والی وہی پرانی ڈگر یا شکل کو برقرار رکھنے کی ضد کیے جارہا تھا۔"(18)

"مکینک عبدالقدوس" یہ افسانوی مجموعہ "سلطنت" کا افسانہ بھی علامتی افسانہ ہے۔جو سادہ مگر اس دور کے انسان کی بے بسی کا واضح ثبوت ہے۔ کردار ان رشتوں کے ساتھ جڑ چکا ہے۔ جس کا عذاب وہ ابھی بھی جھیل رہا ہے۔ بقول قاضی صاحب "ہم ہر وقت مقدر کے بے رحم بھیڑیے کے دانتوں میں جان کنی کے عذاب سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔" کہانی کا مرکزی کردار اپنے گھر والوں کو وقت نہیں دے پاتا مگر اس میں اس چیز کا احساس ہے۔جب وہ رات کو دیر سے واپس آتا ہے۔تو اپنے ماں باپ کے کمرے میں جاتا ہے۔ ان کو دیکھ کے تسکین حاصل کرتا ہے اور ان کے پاؤں کو سیدھا کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے کمرے میں جاتا ہے اور پیار سے دیکھتا ہے جب وہ اپنی بیٹی کے بالوں کو سیدھا کرتا ہے۔ تو اس کی بیٹی اس کے ہاتھ کو قابو کر لیتی ہے اور وہ اس ادا پر خوش ہوتا ہے۔ مگر جب وہ اکیلا بستر پر ہوتا ہے۔ تو خود سے باتیں کرتا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"لیکن میرے پیارے ہو یقین کرو میں تم سے،تم سب سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں
اپنے سے بھی زیادہ وہ۔۔۔۔۔۔۔یہ الگ بات ہے کہ اس اظہار کے لیے میرے پاس
وقت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔میں ہوتا تو جلدی میں ہوں۔۔۔۔۔۔ہر کام میں جلدی کرتا
ہوں مگر نہیں شاید میں ہمیشہ ہی دیر کر دیتا ہوں اور محبت کرنے میں بھی دیر کر دیتا ہوں
(19)"۔

ایک اور جگہ کہتا ہے:

"زندگی اب اس کے لیے ایک Night Mare ہے۔وہ اکثر سوچتا ہے۔ کیا کبھی وہ اپنے
پیاروں سے محبت کرنے کے لیے تھوڑی سی فرصت تھوڑا سا وقت نکال سکے گا؟"(20)

"فالتو لوگ" قاضی کے افسانوی مجموعہ سلطنت کا آخری افسانہ ہے۔اس افسانہ میں ایسے فنکار لوگوں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔جو بغیر کسی جرم یا بغیر کسی اصول و قانونی جواز کے سزا پا رہے ہیں۔ اس افسانہ میں پہلا کردار جو جگت بازی میں مشہور ہے۔ وہ ایک سردار کو جگتیں سناتا ہے۔ایک دن سردار ان کی جگت سے ناراض ہو جاتا ہے کیونکہ سردار خود کانا ہوتا ہے۔وہ دوسرے لوگوں پر جگتیں سن کر اپنے دل کو بہلاتا ہے۔جب اس پر جگت آئی۔ تو اس نے اس کردار کو قید میں ڈال دیا۔ اس کہانی میں دوسرا کردار سنگر کا ہے۔ جو وزیر کا ملازم تھا۔اس کے لیے سونگ بناتا تھا۔ بہت خوش تھا۔ ایک چاپلوسی کرنے والے کے سونگ پر وہ برہم ہو گیا اور اس کو بھی قید کر دیا گیا۔اسی طرح تیسرا کردار جو کہ ایک آتش باز تھا۔اس کو جھوٹے مظاہرے کی بنا پر قید کر دیا جاتا ہے۔ چوتھا کردار جو کہ گویا ہے۔ سرکاری گویے کی سازش کے تحت اس کو بھی نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ پانچواں کردار ایک رقاص کا ہے۔ جو اپنے رقص سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا دیتا ہے۔ ایک شہزادہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ تو بادشاہ نے اسے دیوار میں دفن کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے کرداروں کو جگہ دی گئی ہے۔

"تم سب لوگ جلدی سے بھاگ کر اس مردہ شہر کی قید میں چلے جاؤ۔۔۔۔۔کم از کم تم
سانس تو لے سکو گے۔۔۔۔۔۔۔"(21)

"سلطنت" سے جڑے کرداروں میں ایک کردار دربان کا ہے۔ محمود احمد قاضی نے اس کو جبر کی علامت کے طور پر لیا ہے۔اس کے کردار کے افکار و خیالات کو افسانے میں سمویا گیا ہے۔جو نہ تو اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پر پابندی عائد ہے اور اس کی سوچنے سمجھنے کی حس کو ختم کر دیا گیا ہے۔

"مگر مجھے ہاتھ ہلانے کی،منہ پر بیٹھی مکھی اڑانے کی،چھینکنے کی،
تھوکنے کی،کھنکارنے کی،ڈکار لینے کی،جمائی لینے کی،ہنسنے کی،بولنے کی،ایک دو قدم آگے
پیچھے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"(22)

"ہوا محل" محمود احمد قاضی کا پانچواں افسانوی مجموعہ ہے۔جس میں کل 29 افسانے موجود ہیں۔جو کہ بہت سارے ملکوں کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

"چاند" افسانہ کی کہانی دو کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔جو آپس میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں۔دونوں اپنے چاند کی تلاش میں محو ہیں۔نوجوان دنیا سے بے خبر اپنے میناروں،پرستاروں اور چاند کے حساب و کتاب میں مگن،لیکن اس کی زوجہ اپنے چاند کی تلاش میں ہے۔

"یہ چاند اس کی کمزوری تھا۔اسے اس کی چاندنی میں بھیگنا اچھا لگتا تھا۔اور پھر یہ آج کا چاند
تو صحرا کی وسعت کا چاند تھا۔جو چہار جانب سے اس پر امڈ چلا آتا تھا۔وہ مسحور سی ہو رہی
تھی۔"(23)

جب سے افسانہ نے اپنی وسعت،قوت اور تنوع کو بڑھایا ہے۔تب سے پابندیوں کو توڑ کر زندگی کی ساری وسعتوں اور پیچیدگیوں کو اپنے آپ میں سمو لیا ہے۔افسانہ نگاری میں خیالی دنیا پائی جاتی ہے۔جو حقیقت سے قریب تر ہونے کے باوجود بھی حقیقی نہیں ہوتی۔اس لیے افسانہ نگاری میں حقیقت نگاری،رومانویت،علامت اور تجریدیت کو زندگی کا پر تو قرار دیتے ہوئے اس میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ہر دور میں لکھنے والوں کے دو گروہ رہے ہیں۔ایک گروہ جو زندگی کی ترجمانی کی نیت سے لکھتا ہے اور دوسرا جو زندگی کو بطور علامت پیش کرتا ہے۔محمود احمد قاضی کا نام بھی دوسرے گروہ میں آتا ہے۔تجریدیت میں کہانی علامت کی مرہون منت رہی ہے۔تجریدیت میں افسانہ نگار علامت کو صحیح طریقے سے بیان نہیں کر پاتا۔جس سے اس کا بیان مبہم ہو کے رہ جاتا ہے۔اور یہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔محمود احمد قاضی اس طرح کی کمزوری کو بخوبی سمجھتے ہے۔آپ کی کہانیوں میں علامت ساتھ ساتھ چلتی ہے۔دوسرے تجریدیت پسندوں کی طرح اپنی کہانی کو نہیں روکتے اور نہ ہی غائب کرتے ہیں۔آپ کے ہاں علامت اور تجریدیت دونوں کے استعمال کی لذت محسوس ہوتی ہے یہ صورت "ہوا" سے لے کر "ایک بار پھر جلاؤ"، "چور" اور دیگر افسانوں میں ملتی ہے۔

محمود احمد قاضی نے اپنے افسانوں میں علامت نگاری کے ذریعے جن مسائل کو موضوع بنایا ہے ان میں زیادہ اہم شہری معاشرت،ازدواجی مسائل،معاشرتی ریاکاری،سیاسی جبریت،دیہی حقیقت نگاری،اور فرد کی ہیجان انگیزی قابل ذکر ہیں۔ان کے اکثر افسانوں کے اختتام پر ایک خاص طرح کی اداسی اور ملال انگیز کیفیت پائی جاتی ہے۔محمود احمد قاضی کا شمار ترقی پسند افسانہ نگاروں کے اس گروپ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جنھوں نے نظریاتی اساس کے ساتھ ساتھ نئے فنی،تکنیکی اور اسلوبی تجربے کئے ہیں۔بلونت سنگھ،اشفاق احمد اور انتظار حسین کی طرح ان کے افسانوں میں دیہات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ حقیقت نگاری اور ماضی کی بازیافت اپنے نقطہ عروج پر نظر آتی ہے۔شاہد شیدائی لکھتے ہیں:

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

"محمود احمد قاضی کا قلم معاشرے کی تہہ تک پہنچتا ہے وہ انسانی نفسیات سے خوب خوب واقف ہیں اس لیے ان کے کردار زندہ متحرک اور کہانیاں چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔"(24)

مجموعی طور پر محمود احمد قاضی ایک واضح نظریاتی اساس کے ساتھ فنی سطح پر جدیدیت سے وابستہ افسانہ نگار ہے۔ان کے زیادہ تر افسانے بیانیہ اسلوب کے ساتھ ساتھ جدید علامتی اور تمثیلی انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ان کے تخلیقی شعور میں مزاحمت اور ٹکراؤ کا جوش غالب ہے۔وہ اپنے افسانوں میں جبر کی فضابندی کے ساتھ ساتھ اس کو توڑ کر نکل جانے کی آرزو بھی کرتے ہیں ان کی تمام تر ہمدردیاں واضح طور پر سماج کے مظلوم طبقوں اور تمام تر نفرتیں اور غم و غصہ سامراجیوں کے لیے وقف ہے۔ملال،اداسی اور المیہ عناصر کے باوجود ان کے افسانے زندگی کا حرکی تصور لیے ہوئے ہیں۔محمود احمد قاضی واقعتاً ایک بالغ نظر افسانہ نگار ہیں ان کا لہجہ سراسر سیاسی ہوتے ہوئے بھی سیاست کی تنگ مزاجی سے علاقہ نہیں رکھتا۔وہ تمام تفصیلی انداز میں اپنے ارد گرد کا مطالعہ کرتے ہیں اور مشاہدہ کے ساتھ سیاسی بصیرت اس طرح شامل کرتے ہوئے چلتے ہیں کہ وہ ذاتی مشاہدہ اور سیاسی بصیرت کے آمیزہ میں کسی ایک عنصر کی کمی دوسرے عنصر کی افراط سے پوری نہیں کرتے کیونکہ فنکار ہمیشہ اونچی سوچ رکھتا ہے اور اپنی اندرونی کیفیت کی منظر کشی کر کے اپنے احساسات دوسروں کے سامنے عیاں کرتا ہے۔تجریدیت میں کہانی علامت کی مرہون منت ہوتی ہے اور بعض اوقات مبہم نظر آتی ہے۔محمود احمد قاضی کے یہاں تجریدیت اور علامت چلتے پھرتے کرداروں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔تجریدیت اور علامت نگاری کو بطور تحریک اپنانے والے افسانہ نگاروں کی طرح محمود احمد قاضی نے اسے صرف ایک سیاسی دباؤ کے خلاف ذریعہ اظہار کے اپنایا ہے"روشنی"اور"ہوا"کو بطور استعارہ کہانیوں میں برتنے،آزادانہ زندگی گزارنے کی آرزو،حبس زدہ فضا اور گھٹن جیسے ماحول سے نجات کی شدید خواہش کا اظہار ملتا ہے۔محمود احمد قاضی نے اپنے افسانوں میں سادہ علامتیں اور اسلوب بھی نہایت سادہ استعمال کیا ہے ان کی علامتیں اسلوب کی ترسیل کے راستے میں کوئی مزاحمت اور رکاوٹ پیدا نہیں کرتی ان کے نمائندہ افسانوں میں"چمگادڑیں"،"میلا گھمانے والا"،"قیدی"،"راؤ نڈدی کلاک"،"دمہ"،"سور کی دم"،"سرنگ"،"فالتو لوگ"،"کوئی بادشاہ کی داستان"،"دربان"،"بجھا ہوا الاؤ"،"توتا کہانی"،"آواز"،"ٹھہرا ہوا موسم"،"سنسر کا جواز"،"وہ بولے گا"،"دریچہ"اور"صرف ایک آدمی"شامل ہے۔ان تمام افسانوں میں قاضی محمود احمد زندگی کی تلخ حقیقتوں کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھاتے نظر آتے ہیں۔

محمود احمد قاضی کے تمام افسانوی مجموعوں میں شامل زیادہ تر کہانیاں اپنے عہد کے معاشرتی مسائل،سیاسی حقائق اور جمہوریت کے نام پر قائم ہونے والی بادشاہت کی حیرت انگیز کہانیاں ہیں۔ان کہانیوں کا ہر کردار قاری کو چونکاتا ہے کہانی کا ہر جملہ ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو پڑھنے والوں پر علم و آگاہی کے نئے دروازے کھولتا ہے۔ہر دور میں لکھنے والوں کے دو گروہ رہے ہیں۔ایک گروہ وہ جو زندگی کی ترجمانی کی نیت سے لکھتا ہے اور دوسرا وہ جو زندگی کو بطور علامت کے پیش کرتا ہے۔محمود احمد قاضی کا شمار بڑے وثوق کے ساتھ لکھنے والوں کے دوسرے گروہوں میں کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

1. محمود احمد قاضی سے ٹیلیفونک رابطہ،بتاریخ 9 فروری 2022
2. انور جمال:"ادبی اصطلاحات"،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،2016ء،ص:129،130
3. شمس الرحمن فاروقی،"افسانے کی حمایت میں"،مکتبہ جامعہ دلی،بھارت 1986،ص:66
4. محمود احمد قاضی سے ٹیلیفونک رابطہ،بہ تاریخ چار مارچ 2022
5. رشید امجد،مشمولہ:محمود احمد قاضی،"ٹھہرا ہوا موسم"،سویرا آرٹ پریس،لاہور،1995 ص:171
6. محمود احمد قاضی،"ہوا"،فنون پریس،لاہور،1978ء،ص:41
7. محمد علی صدیقی:"محمود احمد قاضی:بحیثیت افسانہ نگار"مشمولہ"ٹھہرا ہوا موسم"،لاہور نگارشات 1995ء،ص:174

8. محموداحمد قاضی، "ہوا"، فنون پریس، لاہور، 1978ء، ص:55

9. منشایاد: محموداحمد کی کہانیاں "مشمولہ "ٹھہراہواموسم"، لاہور نگارشات، 1995ء، ص:180

10. انواراحمد، ڈاکٹر: "اردوافسانہ ایک صدی کا قصہ"، مثال پبلیشرز فیصل آباد، 2016ء، ص:213

11. محموداحمد قاضی، "ہوا"، فنون پریس، لاہور، 1978ء، ص:21

12. اکبرحمیدی: محموداحمد قاضی کی کہانیاں"، تبصرہ، مخزونہ محموداحمد قاضی

13. محموداحمد قاضی "ٹھہراہواموسم"، سویرا آرٹ پریس، لاہور، 1995ص:21

14. محمد علی صدیقی: "محموداحمد قاضی: بحیثیت افسانہ نگار "مشمولہ "ٹھہراہواموسم"، سویرا آرٹ پریس، لاہور، 1995ء، ص:174

15. اکبرحمیدی: محموداحمد قاضی کی کہانیاں"، تبصرہ، مخزونہ محموداحمد قاضی

16. محموداحمد قاضی "ٹھہراہواموسم"، سویرا آرٹ پریس، لاہور، 1995ص:86

17. اکبرحمیدی: محموداحمد قاضی کی کہانیاں"، تبصرہ، مخزونہ محموداحمد قاضی

18. محموداحمد قاضی: "سلطنت"، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، 2009ء ص:81

19. محموداحمد قاضی: "سلطنت"، ص:109

20. محموداحمد قاضی: "سلطنت"، ص:110

21. محموداحمد قاضی: "سلطنت"، ص:116

22. محموداحمد قاضی: "سلطنت"، ص:31

23. محموداحمد قاضی: "ہوا محل"، غیر مطبوعہ

24. شاہد شیدائی، مشمولہ: محموداحمد قاضی کا افسانوی مجموعہ "سلطنت"، 2009ء، ص:241